چودھری محمد اسماعیل

سُود

(۲)

ان تمام تفصیلات سے یہ واضح ہے کہ صنعت و تجارت اور زراعت کا وہ حصہ جس میں بنکوں سے قرض لیا ہوا سرمایہ ہوتا ہے اور دوسرا حصہ جس میں نجی سرمایہ ہوتا ہے یکساں اصولوں کے ماتحت چل رہا ہے۔ دونوں حصے یکساں طور پر ناداروں کی محنت سے سیراب ہوتے ہیں۔ جس منبع سے بنکوں کے سرمائے کا سود پیدا ہوتا ہے۔ اسی منبع سے انفرادی صنعت و تجارت اور زراعت میں منافع، بٹائی اور کرائے پیدا ہوتے ہیں۔ گویا ناداروں کی قوت محنت کے منبع سے جو دولت کے دریا پیدا ہوتے ہیں وہ جب بنکنگ کے ہیڈورکس سے گزر کر سرمایہ داری کو سیراب کرتے ہیں تو اس کا نام سود ہوتا ہے۔ اور جب اسی دریائے دولت سے افراد یا خاندان اپنے سرمائے کے کھیتوں کو ثمردار بناتے ہیں تو اس کا نام بٹائی، منافع یا کرایہ رکھ لیا جاتا ہے۔ درحقیقت پانی تو وہ ایک ہی ہے۔ صرف مختلف لوگوں نے مختلف جگہوں کے لحاظ سے اس کے نام مختلف رکھے ہوئے ہیں۔

سود کی تعریف

گو یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ مروجہ نظام میں صنعت و تجارت کے منافع، مکانات وغیرہ کے کرائے اور زمینداری کے حصہ میں ایک ایسی زائد رقم ہوتی ہے جس کا اصطلاحی طور پر خواہ کچھ نام رکھ لیا جائے لیکن درحقیقت وہ سرمائے کا معاوضہ یعنی سود ہی ہوتی ہے۔ جیسا کہ ڈاکٹر اختر لکھتے ہیں "یہ ایک سیدھی سی بات ہے کہ سرمائے کی خدمات کا جو معاوضہ ادا کیا جاتا ہے اسے سود کہتے ہیں۔" لیکن بعض علما منافع، کرائے اور بٹائی وغیرہ میں سود کا عنصر شمار نہ کرنے کی وجہ سے سود کی تعریف کو محدود کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ چنانچہ مولانا مودودی صاحب سود کی یوں تعریف کرتے ہیں:

"ربٰو یہ ہے کہ ایک شخص اپنا راس المال ایک دوسرے شخص کو دیتا ہے اور یہ شرط کر لیتا ہے کہ تم اتنی مدت میں اتنی رقم تجھ سے راس المال پر زائد لوں گا۔ اس معاملہ میں راس المال کے مقابل

انڈونیشی خواتین میں بیداری کے آثار پیدا ہو چکے تھے اور وہ اپنے حقوق کی حفاظت کے لیے متحد و منظم ہو رہی تھیں تو ہالینڈ میں تعلیم پانے والے انڈونیشی نوجوان بھی یورپ کی مختلف تحریکات سے متاثر ہو کر ایک قومی تنظیم قائم کرنے میں مصروف ہو گئے تھے۔ اور وہ نوجوان سامنے آنے لگے تھے جو آگے چل کر اپنے ملک کی تحریک آزادی کے رہنما بنے۔ اسی زمانے میں انڈونیشیا کے تجارتی مرکزوں میں چینی اور انڈونیشی تاجروں کی شدید کشمکش شروع ہوئی اور انڈونیشی تاجر امداد باہمی کے اصول پر منظم ہو کر اپنے حقوق کی حفاظت کے لیے کمربستہ ہو گئے۔ انڈونیشی تاجروں کی یہ تنظیم شرکت تاجر اسلام تھی جس نے ۱۹۱۱ء میں بڑی اہمیت حاصل کر لی اور جب ولندیزیوں نے اپنے چینی کارندوں کے مراعات کو برقرار رکھنے کے لیے یہ انجمن ختم کر دی تو اس کے ایک نوجوان رہنما عمر سعید نے شرکت اسلام کے نام سے اسلامی احیاء اور آزادیٔ وطن کی وہ عظیم تحریک شروع کر دی جو اہلِ انڈونیشیا کے دلی جذبات اور تمناؤں کی ترجمان تھی اور جس نے انڈونیشیا میں سیاسی بیداری پیدا کر کے آزادی کی تحریک کو ملک گیر بنا دیا۔

اقبال کا نظریۂ اخلاق

مصنفہ پروفیسر سعید احمد رفیق

انسانی ترقی کی عمارت جن بنیادوں پر استوار ہے ان میں ایک اخلاق بھی ہے چنانچہ علامہ اقبال نے اپنی مختلف تحریروں اور اشعار میں اخلاق پر بہت زور دیا ہے۔ اقبال کے فلسفۂ حیات میں انفرادی اور اجتماعی اخلاق اور اخلاقی اقدار کی جو اہمیت ہے اس کے مختلف پہلوؤں کو بڑی خوبی سے واضح کیا گیا ہے۔

قیمت مجلد ۴ روپے غیر مجلد ۳ روپے

گورو گرنتھ صاحب اور اسلام

مصنفہ ابوالامان امرتسری

اسلام دین فطرت ہے اور اس کی اعلیٰ تعلیمات نے دوسرے مذاہب کے علمبرداروں پر بھی گہرا اثر ڈالا ہے۔ سکھوں کی مقدس کتاب گورو گرنتھ صاحب کے مطالعہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ گورونانک جی اسلامی تعلیمات سے کس قدر متاثر تھے اور انہوں نے اپنی بانی میں قرآن کی آیات اور احادیث نبوی کے مضامین کو کس طرح پیش کیا ہے۔ قیمت ۶/۵۰ روپے

ملنے کا پتہ: سیکریٹری ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ۔ کلب روڈ۔ لاہور

کی تعریف بٹائی پر کس طرح ٹھیک منطبق ہوتی ہے:

"ربٰو یہ ہے کہ ایک شخص اپنا راس المال (اپنی زمین) ایک دوسرے شخص کو دیتا ہے اور یہ شرط کر لیتا ہے کہ میں اتنی مدت میں اتنی رقم (اتنی پیداوار) تجھ سے راس المال (زمین) پر زائد لوں گا۔ اس معاملہ میں راس المال (زمین) کے مقابل راس المال (زمین) ہے اور مہلت کے مقابلہ میں وہ زائد رقم (پیداوار) ہے جس کی تعیین پہلے بطور ایک شرط معاملہ کے کر لی جاتی ہے اسی زائد رقم (پیداوار) کا نام سود یا ربٰو ہے جو کسی خاص مال یا شئے کا معاوضہ نہیں بلکہ محض مہلت کا معاوضہ ہوتا ہے۔"

مولانا صاحب کی پیش کردہ مندرجہ بالا سود کی تعریف کو دیکھیے اور اس پر بٹائی کے انطباق کو ملاحظہ کیجیے۔ پھر سود اور بٹائی کی کیفیت و ماہیت اور خواص پر غور فرمائیے اور خود ہی فیصلہ کیجیے کہ آیا ان میں کوئی فرق ہے؟

احادیث میں سود

احادیث میں بھی سود کی بعض صورتوں کا ذکر آیا ہے۔ مثلاً، (ترجمہ) ابوسعید خدری کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سونے کا مبادلہ سونے سے، چاندی کا چاندی سے، گیہوں کا گیہوں سے جو کا جو سے، کھجور کا کھجور سے، نمک کا نمک سے جیسے کا تیسا اور دست بدست ہونا چاہیے جس نے زیادہ دیا یا زیادہ لیا اس نے سودی معاملہ کیا۔ لینے والا اور دینے والا دونوں گناہ میں برابر ہیں (بخاری، احمد، مسلم)

۲۔ (ترجمہ) ابوسعید خدری کہتے ہیں کہ ایک دفعہ بلالؓ نبی صلعم کی خدمت میں برنی کھجوریں لے کر آئے (جو کھجور کی ایک بہترین قسم ہوتی ہے)۔ آپؐ نے پوچھا یہ کہاں سے لے آئے؟ انہوں نے عرض کیا ہمارے پاس گھٹیا قسم کی کھجور تھی۔ میں نے وہ دو صاع دے کر یہ ایک صاع خرید لی۔ فرمایا ہائیں قطعی سود، قطعی سود۔ ایسا ہرگز نہ کیا کرو۔ جب تمہیں اچھی کھجوریں خریدنی ہوں تو اپنی کھجوریں درہم یا کسی اور چیز کے عوض بیچ دو پھر اس قیمت سے اچھی کھجوریں خرید لو۔ (بخاری، مسلم)

ان احادیث سے صاف ظاہر ہے کہ سود صرف قرض کے معاملات میں ہی نہیں بلکہ دست بدست خرید و فروخت میں بھی ہو سکتا ہے اور سود درحقیقت لین دین میں اپنے حق المحنت سے تجاوز کر کے زیادہ ستانی یعنی کم دینے اور زیادہ لینے کا نام ہے۔ اور ایسے معاملہ کا خاص مدت اور شرح کے ساتھ مشروط ہونا بھی لازمی نہیں جیسا کہ مولانا مودودی صاحب

راس المال ہے اور مہلت کے مقابلہ میں وہ زائد رقم ہے جس کی تعیین پہلے بطور ایک شرط معاملہ کے کرلی جاتی ہے اسی زائد رقم کا نام سود یا ربوٰ ہے جو کسی خاص مال یا شے کا معاوضہ نہیں بلکہ محض مہلت کا معاوضہ ہوتا ہے۔

پس سود کی تعریف یہ قرار پائی کہ قرض میں دیے ہوئے راس المال پر جو زائد رقم مدت کے مقابلہ میں شرط اور تعین کے ساتھ لی جائے وہ "سود" ہے۔ راس المال پر اضافہ۔ اضافہ کی تعیین مدت کے لحاظ سے کیا جانا اور معاملہ میں اس کا مشروط ہونا یہ تین اجزائے ترکیبی ہیں جن سے سود بنتا ہے۔"

لیکن بات پھر بھی وہی رہتی ہے۔ مولانا صاحب سود کو محض مہلت کا معاوضہ قرار دیتے ہیں۔ جس کا مطلب سوائے اس کے کچھ نہیں ہوسکتا کہ ایک خاص مدت میں جو راس المال کی خدمات کا معاوضہ لیا جاتا ہے راس المال پر وہ زائد رقم سود ہوتی ہے۔ بات تو یہ بھی وہی بنتی ہے جیسا کہ ڈاکٹر اختر کہتے ہیں کہ "سود سرمائے کی خدمت کا معاوضہ ہوتا ہے۔" مدت اور زائد رقم کی تعیین سے بھی درحقیقت صورتِ حال میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کوئی شخص ایک منٹ میں راس المال پر زائد رقم لے لے یا ایک سال میں۔ زائد رقم تو اس نے بہرحال وصول کرلی۔ اسی طرح کوئی شخص راس المال پر ایک پائی زائد لے یا ایک روپیہ ظاہر کرکے لے یا خفیہ طور پر جیسا کہ خرید و فروخت میں کیا جاتا ہے اس میں کوئی بھی فرق نہیں پڑتا کیونکہ زائد رقم تو اس نے بہرصورت لے لی۔ وہ زائد رقم ہی درحقیقت سود ہے جو مروجہ نظام میں مختلف طریقوں سے مختلف قسم کے راس المال پر لی جاتی ہے جس طرح گز کپڑا ناپنے میں پیمانہ کے طور پر استعمال ہوتا ہے اسی طرح مدت اور شرح سود ناپنے میں بطور پیمانہ استعمال ہوتے ہیں۔ مدت اور شرح میں سود کی کوئی خاصیت نہیں ہے اور نہ ہی یہ سود کا کوئی جز ہیں۔ مدت اور شرح تو زکوٰۃ جیسے مقدس فریضہ تنخواہ اور مزدوری جیسے واجبات اور حکومت کے ٹیکس وغیرہ کی مقدار ناپنے میں بھی استعمال ہوتے ہیں۔ واضح ہے کہ یہ تو حساب کتاب کا پیمانہ ہیں خواہ ان سے سود کا حساب کرلیجیے یا زکوٰۃ وغیرہ کا۔ لہٰذا شرح اور مدت کو سود کے ساتھ مشروط کرنا یا سود کے اجزا قرار دینا ہرگز درست نہیں ہوسکتا۔

خواہ ربوٰ (سود) کی کوئی تعریف کرلیجیے جن چیزوں میں سود کی کیفیت روح اور خواص موجود ہوں گے ان پر وہ تعریف یقیناً منطبق ہوگی۔ مثلاً دیکھیے مولانا صاحب کی مذکورہ بالا ربوٰ (سود)

کے ہر شعبہ میں سود خواری رائج ہے۔ قرآن کریم تو حکم دیتا ہے "فلکم رءوس اموالکم" یعنی تم اپنے اصلی مال کے حقدار ہو۔ اس سے زائد جو کچھ لیا جائے وہ سود ہے لیکن یہاں زمین دی جاتی ہے تو حصہ اور لگان وغیرہ کے نام پر زائد رقم یا جنس لی جاتی ہے۔ دکان یا مشین وغیرہ دی جاتی ہے تو کرایہ کے نام پر اخراجات مرمت و گھسائی وغیرہ سے بالا زائد رقم لی جاتی ہے۔ جنس یا کوئی سے دی جاتی ہے تو منافع کے نام پر زائد رقم وصول کر لی جاتی ہے۔

بیع اور ربٰو

اس جگہ ایک بات کا واضح کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ قرآن کریم میں لکھا ہے احل اللہ البیع وحرم الربٰو (اللہ نے خرید و فروخت کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام کیا ہے) اور اس سے یہ استدلال کیا جاتا ہے کہ مروجہ خرید و فروخت میں لامحدود منافع خواری حلال ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں منافع خواری کا کوئی لفظ موجود نہیں۔ وہ اپنے پاس سے ہی لگا لیا جاتا ہے۔ پھر کہا جاتا ہے کہ تجارت میں نفع ہوتا ہے۔ اگر یہ بات ہے تو تجارت میں ذخیرہ اندوزی بھی ہوتی ہے اور سمگلنگ بھی، سٹہ بازی بھی ہوتی ہے اور چور بازاری بھی۔ نقد سودے بھی ہوتے ہیں جن میں کم قیمت لی جاتی ہے اور ادھار بھی جن میں زیادہ لی جاتی ہے۔ ٹھوک اور پرچون بھی ہوتا ہے جس میں امرا کو فائدہ اور غربا کو نقصان رہتا ہے۔ نیلام بھی ہوتا ہے جس میں کبھی گاہک ایکا کر لیں تو مالک کو لوٹ لیتے ہیں اور کبھی گاہکوں میں مقابلہ ہو جائے تو مالک حد سے زیادہ غیر مکتسب دولت حاصل کر لیتا ہے۔ پھر مروجہ تجارت میں کھلی منڈی بھی ہوتی ہے اور اجارہ داری بھی جس میں آسانی سے بے شمار غیر مکتسب دولت ہاتھ آجاتی ہے۔ علیٰ ہٰذا القیاس مروجہ تجارت میں کئی قسم کا دکھلاوا، راز اور ہتھکنڈے بھی ہوتے ہیں جن کو TRADE SECRETS & TRADE TRICKS کہا جاتا ہے۔ اگر آیت احل اللہ البیع میں اللہ تعالیٰ منافع خواری کا جواز قائم کرتا ہے تو پھر مذکورہ بالا سب باتیں غیر مشروط طور پر جائز اور ان سب طریقوں سے حصول منافع حلال اور طیب ہے۔ مگر یہ اسلام کی اصولی تعلیم کے بالکل خلاف ہے اور ایسی منافع خواری کے جواز سے حرمت سود بے مقصد اور بے معنی ہو جاتی ہے کیونکہ اس قسم کی خرید و فروخت بالکل سود کے مانند بلکہ اس سے بھی بدتر ہے۔ اسی لیے حکومتیں نرخ اور منافع وغیرہ پر پابندیاں لگا کر اس کھلم کھلا لوٹ کھسوٹ کو روکنے کی کوشش کرتی ہیں۔

سود کی تعریف میں بیان کرتے ہیں۔

سود از روئے قرآن

سود سے کیا مراد ہے۔ کیا قرآن مجید نے اس کی کوئی تشریح کی ہے یا نہیں۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ قرآن مجید نے سود کی کوئی تشریح نہیں کی۔ اگر ایسا ہے تو پھر یہ عجیب بات ہے کہ قرآن مجید سود کو بے برکت بھی ٹھیرائے۔ سود خواروں کو مخبوط الحواس بھی گردانے۔ اس کو چھوڑنے کی تاکید بھی کرے اور سود خواری کو اس قدر سنگین جرم قرار دے کہ گویا سود کھانا اللہ اور رسولؐ کے ساتھ جنگ کرنے کے مترادف ہے اور اس کو ظلم بھی قرار دے اور پھر یہ بھی نہ بتلائے کہ سود ہوتا کیا ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایسے اہم معاملہ کو قرآن حکیم لوگوں کے اپنے اپنے قیاس پر چھوڑ دے۔ آیات متعلقہ سود میں اس کی تشریح اظہر من الشمس ہے۔ ملاحظہ کیجیے ارشاد ہوتا ہے "فلکم رءوس اموالکم" (تمہارے لیے تمہارے اصل مال ہیں)۔ دیکھیے قرآن کریم نے یہ کتنی عجیب حد بندی کی ہے۔ اس حد بندی سے لازماً تسلیم کرنا پڑے گا کہ اپنے اصل مال پر جو کچھ بھی کوئی زائد لے گا وہ سود ہے۔ اگر اس کو اصطلاحاً سود نہ بھی کہا جائے تو بھی اس میں سود کی روح اور کیفیت موجود ہوگی۔ کس قدر معجز نما کلام ہے تین لفظوں میں سود کی ایسی مکمل اور جامع تعریف کر دی ہے کہ جس سے کسی قسم کا سود خواہ وہ براہ راست ہو یا بالواسطہ۔ حاجتمندانہ ہو یا کاروباری، ظاہر ہو یا پوشیدہ باہر نہیں رہ سکتا۔ پھر اس پُر حکمت کلام میں "نقدی" کا لفظ نہیں بلکہ "اموال" کا لفظ استعمال ہوتا ہے جس سے معاملہ بالکل صاف ہو جاتا ہے اور کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہتی۔ کوئی مال ہو خواہ وہ نقدی ہو یا زمین، مکان ہو یا مشین یا دیگر استعمالی اشیاء "فلکم رءوس اموالکم" سب پر حاوی ہے۔ فرماتا ہے کہ تمہیں صرف اپنا مال لینے کا حق ہے۔ اگر تمہاری چیز استعمال سے مرمت طلب ہو گئی ہے، تو مرمت کے دام لے لو۔ گھس گئی ہے تو گھسائی لے لو۔ لانے، لے جانے یا انتظام پر کچھ خرچ ہوا ہے تو وہ لے لو۔ اپنا گھر پورا کر لو اور بس۔ علاوہ ازیں جو کچھ بھی زائد رقم یا جنس وغیرہ تم لوگے وہ سود ہے۔ اور اس کو سود شمار کرنے کے بغیر کوئی چارہ بھی دکھائی نہیں دیتا کیونکہ اگر اس کو سرمائے کا معاوضہ یعنی سود نہ سمجھا جائے تو آخر اس کو کس چیز کا معاوضہ تصور کیا جائے۔

سود کی عالمانہ تعریف اور از روئے قرآن و حدیث تشریح کو مدنظر رکھتے ہوئے اگر مروجہ نظام معاشیات کی پڑتال کی جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ سودی نظام ہے اور اس

چھوڑتا۔ وہ اپنا مطلب آپ بیان کرتا ہے۔ چنانچہ وہ احل اللہ البیع کے ساتھ ہی حرم الربوٰ بیان کرکے حلال بیع کو حرام سود کے ساتھ مشروط کر دیتا ہے۔ اور خبردار کر دیتا ہے کہ بیع تو حلال ہے مگر ربو بڑھوتری (منافع خواری) جس کو بعض لوگ ناجائز نفع بھی کہتے ہیں حرام ہے۔ لہذا حلال بیع (خالص اور بے عیب خرید و فروخت) وہی ہو سکتی ہے جس میں سود کی روح کام نہ کرتی ہو اور جو سود کی ملاوٹ اور میل کچیل سے بالکل پاک و صاف ہو۔ بدیں وجوہ احل اللہ البیع سے مروجہ تجارت میں منافع خواری کے جواز کا استدلال کرنا کسی طرح بھی صحیح نہیں ہو سکتا۔

کیا قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کی صنعت و تجارت بھی سودی اصول پر مبنی تھی؟

جب یہ بات بیان کی جاتی ہے کہ مروجہ صنعت و تجارت وغیرہ کے منافع میں سود کا عنصر ہوتا ہے تو بعض اصحاب معاً یہ سوال کرتے ہیں کہ کیا قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کی صنعت و تجارت میں بھی سود تھا اور ہمارے بزرگ بھی سود کھاتے تھے؟ یہ ایک بڑی جذباتی سی بات ہے، اور لاشعوری طور پر اپنے عیوب کو چھپانے کے لیے پیدا ہوتی ہے۔ دراصل تو یہ بات ہی خارج از بحث ہے تلک امت قد خلت لہا ما کسبت ولکم ما کسبتم۔

زیر بحث قرونِ اولیٰ کی تجارت نہیں بلکہ مروجہ تجارت ہے اور از روئے تحقیق یہ امر ثابت ہے کہ مروجہ صنعت و تجارت وغیرہ سودی اصولوں پر مبنی ہے۔ پھر یہ فرض کر لینا کہ قرونِ اولیٰ کے بزرگ بھی آج کل کی مانند ہی صنعت و تجارت میں ذخیرہ اندوزی، منافع خواری، بلیک مارکیٹ اور دیگر تجارتی ہتھکنڈوں سے ہی کام لیا کرتے تھے ان بزرگوں پر کس قدر اتہام اور ان کی سیرت و کردار پر کس قدر بے جا حملہ ہے۔

اگر غور سے دیکھا جائے تو حقیقت یہ ہے کہ آج کل کی صنعت و تجارت اور قرونِ اولیٰ کی صنعت و تجارت میں کوئی نسبت ہی نہیں۔ اس بارے میں مندرجہ ذیل اسباب پر دھیان دینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

سب سے اہم چیز جو صنعت و تجارت پر اثر انداز ہوتی ہے وہ ذرائع آمد و رفت ہیں۔ ظاہر ہے کہ پرانے ایام میں نہ کوئی تار ڈاک کا سلسلہ تھا نہ بسیں تھیں نہ ریلیں نہ ہی اس وقت سڑکیں تھیں اور نہ ہی دریاؤں اور ندی نالوں پر پل ہوتے تھے۔ اُس وقت باربرداری کے لیے صرف گدھا گھوڑا یا بیل اور اونٹ کے سوا اور کچھ نہ ہو سکتا تھا۔ دوسری بات جو تجارت کے لیے نہایت

دراصل بات یہ ہے کہ آیت احل اللہ البیع کا مقصد منافع خواری کا جواز نہیں ہے۔ اگر اللہ کو منافع خواری کا جواز مطلوب ہوتا تو آیت یوں ہوتی کہ "سود حرام ہے مگر خرید و فروخت میں (سود) منافع خواری حلال ہے۔" مگر آیت یوں نہیں بلکہ اس طرح ہے:

ترجمہ "جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ کھڑے نہیں ہوں گے مگر اس طرح جیسے وہ شخص کھڑا ہوتا ہے جسے شیطان نے چھو کر مخبوط الحواس کر دیا ہو۔ یہ اس لیے ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ خرید و فروخت بھی سود ہی کی طرح ہے۔ حالانکہ اللہ نے خرید و فروخت کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام کیا ہے۔" البقرہ ۲۷۵

یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ سود خوار لالچ میں اندھے ہو کر سود کی حرمت سے انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ (انما البیع مثل الربوٰا) خرید و فروخت بھی سود ہی کی طرح ہے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ (احل اللہ البیع وحرم الربوٰا) خرید و فروخت حلال ہے اور سود حرام ہے۔ یعنی خرید و فروخت سود کی طرح نہیں ہے۔ کیونکہ ان کے مقاصد الگ الگ ہیں اور ان کی روح جدا جدا ہے۔ معمولی تدبر سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سود کا مقصد روپے سے زیادہ روپیہ لینا۔ دولت سے مزید دولت پیدا کرنا۔ کم دے کر زیادہ وصول کرنا۔ اور حاجت مندوں کی احتیاج سے فائدہ اٹھانا ہے۔ اور خرید و فروخت کا مقصد اپنی محنت سے پیدا کردہ وافر اشیاء کو دوسروں کے استعمال کے لیے پیش کرنا اور دوسروں کی پیدا کردہ وافر اشیاء کو اپنی ضرورت کے مطابق لینا۔ بالفاظ دیگر خرید و فروخت کا مقصد آپس میں تبادلہ اشیا کرنا ہے۔ یعنی اپنی روپے کی چیز دے کر اس کے عوض میں دوسرے کی روپے کی چیز لینا ہے۔ منافع کا تو اس میں سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اسی لیے آیت احل المنافع نہیں بلکہ احل البیع ہے۔ یعنی خرید و فروخت کو حلال کیا گیا ہے۔ نہ کہ منافع کو۔ منافع تو دراصل خرید و فروخت کو سود خواری کے اصول پر چلانے سے پیدا ہوتا ہے۔

واضح ہے کہ سود خواری میں جو روح کام کرتی ہے وہ یہ ہے کہ بلا محنت و مشقت دوسروں کی کمائی ہتھیا لی جائے۔ اور خرید و فروخت کی یہ روح ہے کہ ہر ایک آدمی کو ضروریات زندگی مہیا ہو جائیں۔ یعنی سود ایک دوسرے پر ظلم۔ خود غرضی، بخل، سنگدلی اور زر پرستی کا راستہ ہے۔ اور صحیح (خرید و فروخت) ایک دوسرے سے ہمدردی، اعانت، محبت اور مل جل کر رہنے سہنے کا طریقہ ہے

قرآن مبین کا معجزہ دیکھیے وہ کسی مسئلہ کو تشنہ نہیں رہنے دیتا اور لوگوں کے قیاسات پر نہیں

پہنچ کر تک مختلف اجناس یا مصنوعات پہنچا کر اپنی محنت و مشقت کا معاوضہ حاصل کرنا۔ آج کل کی تجارت کا مطلب ہے تین پیسے کے کارڈ کے ذریعے اشیا منگوا کر منافع خوری کرنا۔ پرانے وقتوں کی تجارت میں قافلے جو مال اونٹوں یا بیلوں وغیرہ پر لاد کر ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتے تھے وہ وہاں فروخت کر دیا جاتا تھا اور وہاں سے مال لاد کر اپنے ہاں لایا جاتا تھا۔ گویا تجارتی کام عام طور پر ایک جگہ سے دوسری جگہ اشیا پہنچانے پر ہی مشتمل تھا۔ لہذا ذخیرہ اندوزی کا اس میں بہت ہی کم امکان تھا۔ آج کل کی تجارت میں کروڑوں روپے کا مال ذخیرہ کر کے بھاؤ کو بھی اپنے بس میں کر لیا جاتا ہے۔ اور پھر خاطر خواہ منافع اٹھا لیا جاتا ہے۔ اس کے ثبوت میں آپ جگہ جگہ سٹوروں، سٹاکسٹوں اور گوداموں کے بورڈ ملاحظہ کر سکتے ہیں۔ زمانہ ماضی بعید میں مصنوعات بالکل محدود تھیں۔ مثلاً بجلی، ریڈیو، سائیکل، موٹر، فوٹوگرافی، کھلونے، پلاسٹک، بیک لائٹ وغیرہ وغیرہ بالکل ایجاد ہی نہ ہوا تھا۔ اور زندگی نہایت سادہ تھی۔ جو کہ چند اجناس یا اشیائے ضرورت پر مشتمل تھی۔ ہاں کہیں کہیں لوگ دستکاری کی خاص خاص اشیا بادشاہوں اور امرا و وزرا کی خدمت میں پیش کر کے انعام و اکرام حاصل کر لیا کرتے تھے۔ جس کو منافع خوری کے زمرہ میں شمار نہیں کیا جا سکتا۔ غرضیکہ آج کل کی تجارت اور پرانے زمانے کی تجارت ہر لحاظ اور ہر پہلو سے مختلف ہے۔ علاوہ ازیں قرونِ اولیٰ کے مسلمان اس قدر ہمدردِ بنی نوع انسان تھے کہ وہ ذخیرہ اندوزیاں اور منافع خوریاں جانتے ہی نہ تھے۔ ان کی زندگی کا مقصد ہی اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی اور رسول اللہ صلعم کی خوشنودی تھی جیسا کہ رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ سے ظاہر ہے۔ اپنی خود غرضیوں ذخیرہ اندوزیوں اور منافع خوریوں کے جواز کے لیے سلف صالحین کے متعلق یہ قیاس کرنا کہ ان کی تجارت و صنعت بھی سودی اصولوں پر ہی قائم تھی کہاں کا انصاف ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ سودی کاروبار کو انہوں نے اپنی سلطنت سے بالکل ختم کر دیا تھا۔ کیا آپ نے بھی بنکنگ اور سودی کاروبار کو ختم کر دیا ہے ؟ وہ اپنی وافر دولت راہِ خدا میں دینا اور زکوٰۃ کا ادا کرنا اپنا فرض سمجھتے تھے۔ کیا آپ کے ہاں بھی باضابطہ بموجب منشائے قرآن نظامِ زکوٰۃ قائم ہے ؟ اگر نہیں تو ان پاکبازوں کی صنعت و تجارت سے آپ کی صنعت و تجارت کی مماثلت کیسی۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی بجا آوری میں ہی اُن کی ترقی کا راز مضمر تھا۔ اگر وہ ایسے نہ ہوتے تو وہ دینی اور دنیاوی ترقیات کیونکر حاصل کرتے اور دینِ اسلام کیونکر پھیلتا۔

(باقی آئندہ)